© rasailojaraid.com

ایک آدمی تھا بے مثال

محمد عابد مسعود ڈوگر

سید ذوالکفل بخاری نجیب آدمی تھے۔ بلکہ نجیب الطرفین۔ پہلی ملاقات اُن سے دارِ بنی ہاشم میں ہی ہوئی۔ تب سید عطاء المحسن بخاری حیات تھے۔ بے نظیر کا پہلا دورِ حکومت تھا۔ عورت کی حکمرانی کا مسئلہ اخبارات میں زیرِ بحث تھا۔ ان دنوں مقبول الرحیم مفتی نے روزنامہ جنگ میں عورت کی حکمرانی کے جواز کے حق میں ایک مضمون لکھا جس میں کئی باتیں اُس زمانے میں میرے لیے نئی تھیں۔ میں نے سید عطاء المحسن شاہ صاحب سے اس موضوع پر پوچھنے کی کوشش کی تو انھوں نے چند جملے ہی ارشاد فرمائے تھے کہ سید ذوالکفل بخاری تشریف لے آئے۔ شاہ صاحب نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا کہ اِس کی بات سنو اور اسے سمجھاؤ۔ وہ مجھے لے کر نقیبِ ختمِ نبوت کے دفتر میں بیٹھ گئے۔ انھوں نے بھی یہ مضمون دیکھا ہوا تھا۔ کہنے لگے اس میں تو کوئی مشکل بات نہیں۔ چند منٹوں میں مفتی صاحب کے مضمون میں بیان کردہ دلائل کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے۔ اسی ملاقات سے مرحوم کے ساتھ وہ تعلق شروع ہوا جو اس دنیا میں ان کی موت تک جاری رہا۔ ہمیشہ پڑھتے وقت پیش آنے والی الجھنوں کو سلجھانے کے لیے میرا رابطہ انھی سے ہوتا تھا۔ وہ نہ صرف عقدہ کشائی فرماتے بلکہ اس موضوع کی وضاحت کے لیے کئی دوسری تحریروں کی طرف رہنمائی بھی فرماتے جس سے متعلقہ موضوع پر نہ صرف پوری طرح واقفیت حاصل ہو جاتی بلکہ اس کے یمین و یسار پر بھی نظر ہوتی۔ سننے کی حد تک تو سید عطاء المحسن بخاری کی مجلسوں سے میں نے الحمد للہ بہت کچھ حاصل کیا مگر پڑھنے اور اس پر غور کرنے کی تھوڑی بہت شد بد جو ہے وہ جناب ذوالکفل بخاری کا ہی فیض نظر ہے۔ میں نے کئی موضوعات اور شخصیات کو ان سے سمجھا اور ان کی رہنمائی میں پڑھا۔ تین سال قبل سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر انھوں نے ایک نشست میں دو درجن سے زائد کتب کے نام اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیے۔ وہ تحریر برکت کے طور پر میرے پاس محفوظ ہے۔ منصبِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو میں نے امام سید ابو معاویہ ابوذر بخاری اور سید عطاء المحسن بخاری کی تحریروں اور تقریروں سے سمجھا اور اس موضوع سے متعلقہ بحث سید ذوالکفل بخاری سے سمجھی۔ مطالعۂ تاریخِ اسلام کے مروجہ اور مشہور رخ کو چھوڑ کر دوسرا رخ بھی مرحوم نے سمجھایا اور بتایا۔ افسوس اس موضوع پر لکھنے پڑھنے والوں کی اکثریت یا تو یک چشمِ گل ہے یا پھر اپنی اپنی پسند اور دائروں کے Sunglasses چڑھائے ہوئے ہیں۔ ادب کا چسکا ان کی باتیں سن کر ہی پڑا۔ بے شمار شاعروں اور ادیبوں کے نام اور کام سے انھوں نے ہی مجھے واقف بنایا۔ آخری سالوں میں جو ان سے ملاقاتیں رہیں۔ ان میں دو باتیں میں نے ان کو سنائیں تو بار بار اصرار فرماتے رہے کہ ان کو لکھ دو۔ وقت گزر جاتا ہے، باتیں بھول جاتی ہیں۔ یا پوری طرح یاد نہیں رہتی۔ تم انھیں لکھ دو۔ کیا معلوم تھا میں ان کی اس خواہش کو ان کی شخصیت پر لکھی جانے والی ایک نا تمام تحریر میں پوری کروں گا۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ ایک رات میں ٹی وی پر ایک ادبی پروگرام دیکھ رہا تھا ایک مشہور شاعر اپنا کلام سنا رہے تھے اور ساتھ ساتھ گفتگو بھی کر رہے تھے دورانِ گفتگو میزبان نے مہمان شاعر سے پوچھا کہ زندگی میں کس شخصیت نے آپ کے دل و دماغ پر غیر معمولی نقشہ چھوڑا؟ شاعر کہنے لگے ایک صاحب ایسے تھے جن سے میری کوئی باضابطہ ملاقات نہیں ہوئی مگر میں ملتان میں اپنے ایک دوست کا مہمان تھا وہ مجھے یہ کہہ کر گھر سے لے آئے کہ آؤ میں تمھیں ملتان کے سب سے خوبصورت اور پڑھے لکھے انسان سے ملواتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوں۔ ہم پہنچے تو ایک جگہ ایک مولوی صاحب قرآن پاک کا درس دے رہے تھے۔ شروع میں تو میں نے اپنے دوست سے کہا کہ کہاں لا کے مجھے تو نے پھنسا دیا۔ تھوڑا سا وقت گزرا تو درس قرآن دینے والے مولوی صاحب کی گفتگو نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ میں نے تقریباً پینتالیس منٹ اُن کی گفتگو سنی۔ گفتگو کیا تھی ایک علم کا دریا جیسے بپھر گیا ہو۔ اور وہ اپنی پوری روانی کے ساتھ مسلسل تیزی سے بہہ رہا ہو۔ میں حیران کہ مولویوں میں بھی ایسی گفتگو کرنے والے لوگ ہیں، زبان ایسی صاف اور بیان ایسا دلنشین کہ دل چاہتا تھا نشست طویل سے طویل ہوتی چلی جائے۔ چہرہ اتنا منور اور بارونق کہ دیکھنے سے دل نہ بھرے اور نہ نگاہ ٹکے۔ ان کی گفتگو ختم ہوئی ہم بغیر ملے واپس چلے آئے۔ اس محفل کا رنگ آج تک میرے دل و دماغ پر نقش ہے میری اک غزل کا شعر شاید ان کے لیے ہی ہو گیا ہے۔ ان کا نام سید عطاء المنعم بخاری تھا۔

جو کوئی اس کے سامنے آ گیا وہی روشنی میں نہا گیا
عجب اس کی ہیبتِ حسن تھی عجب اس کا رنگِ جمال تھا

ذوالکفل کی بات سچ ہوئی آج واقعہ تو یاد ہے۔ مگر شاعر کا نام بھول گیا۔ دوسری بات سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ وہ آخری دفعہ ہندوستان سے پاکستان تشریف لائے تو میں ان دنوں جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورہ حدیث کا طالب علم تھا۔ انھوں نے جامعہ اشرفیہ میں اساتذہ اور طلباء کے ساتھ ایک نجی محفل میں سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش فرمایا:

> افسوس پاکستان کے علماء نے ان کی شخصیت سے جھگڑے وابستہ رکھے مگر جتنا فائدہ ان کے علم اور اٹھایا جا سکتا تھا کسی نے اس طرف توجہ نہ دی۔ مجھے ان کی شخصیت کے علمی پہلو کی طرف قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ دلائی تھی۔

یہ دو باتیں تھیں۔ جنھیں لکھنے کا مرحوم بار بار تقاضہ فرماتے رہے۔ مگر افسوس میں اپنی سستی کی بنیاد پر یہ کام ان کی زندگی میں نہ کر سکا گزشتہ سالوں میں وہ چیچہ وطنی تشریف لائے تو گرمیوں کا موسم تھا۔ دوپہر کا کھانا مقامی جماعتی ساتھیوں کے ساتھ میرے ہی غریب خانے پر تناول فرمایا۔ یہ ان کی میرے گھر پہلی اور آخری آمد ثابت ہوئی۔ ان کے آخری سفر پاکستان میں میں ملتان گیا تو وہ کسی کام سے لاہور میں تھے۔ واپسی پر رابطہ کیا اور فرمایا کہ اب آجاؤ، احمد معاویہ بھائی بھی کراچی سے آئے ہوئے تھے ان کے ساتھ جانے کا پروگرام تھا مگر کسی ضروری کام کی وجہ سے ہم نہ جا سکے۔ اگر چلے جاتے تو ان سے یہ آخری ملاقات ہوتی۔ سعودی عرب سے بھی وہ کرم فرمائی کرتے تھے۔ پوچھتے رہتے تھے اور بتاتے رہتے تھے۔ پوچھتے تھے کہ میں کیا کر رہا ہوں اور بتاتے تھے کہ کیا کرنا چاہیے۔ ان کی اچانک موت نے تاریکی اور بڑھا دی ہے۔ کچھ لوگوں کا وجود ہم جیسے کم علموں کے لیے ڈھارس ہوتا ہے۔ مگر افسوس یہ دور ایسے بھلے آدمیوں سے تیزی کے ساتھ خالی ہو رہا ہے بلکہ ہو چکا ہے۔ ان جیسا دوسرا آدمی اب شاید کبھی زندگی میں ملے۔

میں نے جن شخصیات کو نام کے علاوہ کام کے حوالے سے پہچانا ان میں سے زیادہ تر کا تعلق بیسویں صدی عیسوی اور برصغیر پاک و ہند سے ہے۔ مثلاً علامہ محمد انور شاہ کاشمیری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبید اللہ سندھی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق، ماسٹر تاج الدین انصاری، ڈاکٹر حمید اللہ اور سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہم اللہ۔ پڑھنے والے شاید یہ سمجھیں کہ ان کا میرے ساتھ ہی خصوصی طور پر ایسا معاملہ تھا۔ نہیں میرے علاوہ بھی درجنوں پیاسے ایسے ہیں جنھوں نے اس چشمۂ صافی سے جی بھر کے استفادہ کیا ہے۔ کچھ دن اور جیتے تو کئی تشنہ لبوں کی پیاس بجھاتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے (آمین)

© rasailojaraid.com